جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

شاہ فیصل شہیدؒ

خان یاسر

امی، ابّی اور دادا کے نام

جن سے میں نے سیکھا کہ
عظیم شخصیات
آسمان سے نہیں اترتیں
بلکہ
زمین پر پیدا ہوتی ہیں،
زمین سے وابستہ ہوتی ہیں؛
اور یہ کہ
ہر بچہ
اگر چاہے
تو 'بڑا' آدمی بن سکتا ہے...

آپ منکر ہیں غلامی بھی نہیں ملتی ہے
سلطنت کر گئے عقبیٰ سے ڈرانے والے

"قرآن ہمارا دستور ہے۔[۲۱]"

"بھائیو...! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھ میں ایک بھائی اور ایک خادم دیکھیے... سلطان نہیں۔ سلطنت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے اور تخت تو صرف اسی کا تخت ہے جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین پر قائم ہے۔[۲۲]"

(شاہ فیصل شہید)

شاہ فیصل شہید

ذمہ دار شہزادے کی اٹھان: فیصل بن عبدالعزیز 21 اپریل 1904 کو ریاض میں پیدا ہوئے۔ اس وقت سعودی سلطنت کا قیام نہ ہوا تھا لہٰذا قدرتی طور پر وہ آرام و آسائش سے محروم رہے۔ صبح صادق سے دو گھنٹے پہلے ہی تہجد کے لیے اٹھنا، گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سواری، برہنہ پا پھرنا ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔ شکار کا شوق رکھتے تھے۔ بچپن میں ہی قرآن کے حفظ سے فارغ ہوئے، علومِ دینیہ، فقہ، تفسیر، حدیث، تاریخ وغیرہ میں دستگاہ حاصل کی۔ والدِ محترم نے خصوصاً جنگی تربیت کا خیال رکھا۔

1917 میں صرف تیرہ سال کی عمر میں آپ نے والد کی معیت میں جنگِ ہاطب میں شرکت کی اور داد شجاعت دی۔ تین سال بعد شہر حائل پر محاصرے کے دوران ان کی شجاعت اور دلیری کی شہرت دور دور پہنچی۔ جولائی 1922 میں انھوں نے عسیر کے خلاف ایک فوجی مہم کی قیادت کی اور 1923 میں اس کے دارالخلافہ پر قابض ہوئے۔ 1925 میں فیصل پینتالیس ہزار فوجیوں کے ساتھ شریف حسین پر حملہ آور ہوئے اور اس کی حکومت کا خاتمہ کیا، والد نے حجاز میں انھیں اپنا نائب مقرر کیا۔ 1926 میں وہ یورپ کے دورے پر روانہ ہوئے۔ برطانیہ اور فرانس کے بڑے سیاسی لیڈران سے ملاقاتیں رہیں، اس سفر سے انھوں نے خوب ہی سفارتی و سیاسی تجربہ حاصل کیا۔ 19 دسمبر 1930 کو انھیں مجلسِ شوریٰ کا صدر چن لیا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ وزارت خارجہ کی ذمہ داری بھی سونپ دی گئی۔ 16 فروری 1932 کو وہ وزارتی کونسل کے صدر بھی منتخب ہوئے۔ 1933 میں یمن کی طرف پیش قدمی کرنے والی افواج کے کمانڈر بنائے گئے۔

ولی عہد سے بادشاہی تک: شاہ سعود جب 1953 میں بادشاہ بنے تو فیصل ولی عہد بن گئے۔ شاہ سعود بہترین انتظامی صلاحیتوں کے مالک نہ تھے، خرچ میں (خصوصاً ریاض میں عالیشان محل

کی تعمیر کے حوالے سے)ان کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے عوام میں بے اطمینانی پھیلی لہذا سعودی خاندان اور علماء کی رائے سے ولی عہد فیصل کو 1958 میں وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سونپا گیا جس کے تحت تمام ہی انتظامی امور ان کی ماتحتی میں آ گئے۔ فیصل نے ہر قسم کی بے اعتدالی کا خاتمہ کیا، بیت المال کے بے جا مصارف پر یک قلم روک لگا دی اور اس طرح ملک کو معاشی بحران میں مبتلا ہونے سے بچا لیا۔ شاہ سعود سے ناچاقی کی بنا پر 1960 کو انھوں نے وزارتِ عظمیٰ سے استعفیٰ دے دیا لیکن 1962 میں انھیں ایک بار پھر یہ عہدہ سونپا گیا۔ شاہ فیصل اپنی وزارتِ عظمیٰ کے اس دور میں کئی اہم اصلاحات کے محرک بنے، لڑکیوں کے لیے تعلیم کا نظم کیا، غلامی کے رواج کو قانوناً ختم کیا (یعنی غلاموں کو ان کے مالکوں سے بھاری قیمتوں کے عوض خرید کر آزاد کر دیا)، ٹیلی ویژن اسٹیشن قائم کیا۔ اپنی لیاقت کو بحیثیت وزیرِ اعظم ثابت کرنے کے بعد 2 نومبر 1964 کو انھیں عدالتی فتوے، شاہی خاندان کے ممبروں اور مشاورتی کونسل کی ایما پر مملکتِ سعودی عرب کا بادشاہ مقرر کیا گیا۔

رفاہِ عامہ: شاہ فیصل کے لیے بادشاہت کوئی پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں کا بستر تھی۔ سب سے بڑا چیلنج ملک کو معاشی طور پر مستحکم کرنا تھا۔ وہ ان مشکلات سے کما حقہ نبرد آزما ہوئے۔ انھوں نے غیر ضروری اخراجات پر یکسر روک لگا دی۔ ایک طرف انھوں نے میسر وسائل کو کفایت شعاری سے استعمال کرنے پر خصوصی توجہ دی تو دوسری طرف تیل کی پیداوار بڑھانے پر اپنی توجہ مرکوز کر دی۔ انھوں نے کئی یونیورسٹیوں کا قیام کیا اور کئی کی توسیع کی۔ 1965 میں مزدوروں کی بھلائی کے لیے ایک مزدور قانون کا نفاذ کیا جس سے شہریوں کو نوکری کی ضمانت ملی۔ متعدد نئے اسپتال جدید تکنیک سے لیس بنائے گئے۔ وسائل کا رخ صنعتی اور زراعتی ترقی کی طرف موڑا گیا۔ مواصلات اور رسل و رسائل کے میدان میں بھی ان کی پیش رفت اہمیت کی حامل رہی۔ 1970 میں پہلے پنج سالہ منصوبے کا نفاذ عمل میں آیا۔ حرمین شریفین کی عظیم الشان توسیع ہوئی۔

ان کی بادشاہی کبھی ان کے دین، ایمان اور تقویٰ کے راستے میں حائل نہ ہونے پائی دیگر عیش و آرام تو دور شاہ فیصل سگریٹ تک کو عمر بھر منہ سے لگانے کے روادار نہ ہوئے، جب کہ شاہی خاندان میں یہ لعنت عام تھی۔ انھیں چاپلوسوں سے سخت نفرت تھی، ایک مرتبہ کسی شاعر نے ان کی شان میں قصیدہ پڑھا اور انعام کا طالب ہوا۔ شاہ فیصل نے کہا: ''**شعر کا مصرف ضمیر کو زندہ کرنا ھونا**

چاہیے نہ کہ اسے سلانا، بیت المقدس ہمیں پکار رہا ہے، کاش تم نے امتِ مسلمہ کو اس طرف توجہ دلائی ہوتی۔''

خارجی تعلقات: شاہ فیصل کمیونزم کے سخت مخالف تھے، صہیونی عزائم کے خلاف وہ ہمیشہ برسر پیکار رہے۔ البتہ انھوں نے امریکہ کے ساتھ تعلقات (جو ان کے والد کے زمانے سے چلے آرہے تھے) شروع میں برقرار رکھے۔ خلیجی ممالک میں سوشلزم اور قومیت کے سیلاب سے آپ کافی پریشان تھے اور ان دونوں مسائل کا حل اسلامی اتحاد کو تصور کرتے تھے۔ لیکن مغرب کے معاملے میں بھی وہ کم محتاط نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا معاشی ترقی کو اسلامی قدار کا پابند ہونا چاہیے، وہ مغربی ٹکنالوجی کے ساتھ مغربی برائیوں کو درآمد کرنے کے سخت خلاف تھے۔ عبدالناصر اور یمن کے تنازعہ میں ان کا مسلک انتہائی دور اندیشی پر مبنی تھا۔ ٹکنالوجی وغیرہ کے معاملے میں سعودی عرب گو اس دور میں بھی امریکہ پر منحصر تھا لیکن امریکہ کا باج گزار نہیں تھا۔ 1973 کی عرب اسرائیلی جنگ میں جب امریکہ اور مغرب نے اسرائیل کی روایتی طور پر مدد کی تو شاہ فیصل نے صرف لفظی احتجاج پر اکتفا کرنے کے بجائے ملک کے تیل کو عالمی منڈی میں فروخت کرنے سے انکار کر دیا جس سے تیل کی قیمتیں چوگنا بڑھ گئیں اور مغربی معیشت گھٹنوں پر آ گئی اور جلد از جلد صلح کے معاہدے ہوئے۔ اس تیل کی دولت سے انھوں نے جنگ میں حصہ لینے والے مصر، شام اور فلسطین لبریشن آرگنائزیشن کی خوب مدد کی۔ ٹائم میگزین نے شاہ فیصل کے اس جرأت مندانہ اقدام پر انھیں 1974 کا مین آف دا ئیر قرار دیا۔

جامِ شہادت: شاہ فیصل نے قرآن کو مملکت کا دستور قرار دیا اور اسلامی شریعت کے مکمل نفاذ کی طرف توجہ مبذول کی۔ اسلام کی بنیادوں پر مسلم ممالک میں اتحاد کے لیے ایک خواب دیکھا۔ 1969 میں پہلی اور 1972 میں دوسری اسلامی کانفرنس کے ذریعے اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی کوشش بھی کی۔ OPEC ہو یا OIC ان میں شاہ فیصل کی کوششوں کا بہت بڑا رول تھا۔ وہ ایک بے مثال خطیب اور بے باک قائد تھے، تواضع وانکساری، زہد وتقویٰ اور صبر وتحمل ان کے نمایاں اوصاف تھے۔ فلسطین کے تعلق سے بھی ان کا موقف بہت صاف تھا، اسرائیل کا وجود ان کے لیے ناقابلِ قبول تھا۔ ان کا سب سے بڑا 'گناہ' یہ تھا کہ وہ اس بات پر ایمان نہ لائے تھے کہ 'طاقتور' اور 'ترقی یافتہ' ممالک کے سامنے 'کمزور' اور 'غیر ترقی یافتہ' ممالک کو چوں بھی نہیں کرنی چاہیے۔ چنانچہ انھوں نے

اپنے میسر وسائل کا بھرپور استعمال کیا اور مغرب کا ناطقہ بند کر دیا۔

اپنی اس جرأت کی قیمت انھیں اپنی جان دے کر چکانی پڑی۔ 25 مارچ 1975 کو جب وہ ایک مجلس میں بیٹھے عوام وخواصِ مملکت کے مسائل پر گفتگو کر رہے تھے تو ان کے ایک بھتیجے نے (جو امریکہ سے حال ہی میں لوٹا تھا) انھیں گولی مار کر شہید کر دیا۔ اللہ تعالیٰ وقت کے سوپر پاوروں کو آنکھیں دکھانے والے اس نیک دل بادشاہ کی خطاؤں سے درگزر فرمائے، انھیں انبیاء، صدیقین وشہداء کی معیت نصیب کرے اور ان کے جانشینوں کو ان کا سا قلب وجگر ڈھونڈ لانے کی توفیق نصیب فرمائے۔

آمین!